ڈاکٹر محمد آصف اعوان

ڈارون کا تصورِ ارتقا اور اقبال ایک اجمالی تحقیقی وتوضیحی جائزہ

Darwin's Theory of Evolution and Iqbal
A Collective, Discriptive & Research Vision

Abstract:

Dr. Muhammad Asif Awan, Lecturer, Department of Urdu, G. C. University, Faisalabad.

Charles Darwin's name need not be introduced as for the philosophy of Evolution is concerned. Struggle for existence and natural selection are main principles of his doctrine. In Iqbal's view the basic drawback of Drawin's philosophy is material and mechanical determinism, whereas evolutionary process is not limited to matter or mechanical laws only. Iqbal believes that life's free mobility and creativity are the intrinsic characteristics of the philosophy of evolution.

چارلس ڈارون (۱۸۸۲ء۔۱۸۰۹ء) کو مغرب کی مادہ پرست فکر اور تحریک الحاد کا نمائندہ مفکر قرار دیا جاسکتا ہے۔ اس نے اگرچہ ابتدائی عمر میں طب اور دینیات کی تعلیم حاصل کرلی تھی، تاہم اسے حیوانات اور نباتات کے مشاہدے اور ان کی شکل وساخت کے تغیرات معلوم کرنے اور اس کی توجیہات پر غور کرنے کا بہت لپکا تھا۔ اس نے اپنی زندگی کے پانچ نہایت قیمتی سال بحری سفر میں صرف کیے۔ یہ سفر دراصل ڈارون کے لیے حیوانات اور مظاہر فطرت کا ایک مطالعاتی سفر تھا۔ اس سفر کے مشاہدات نے ڈارون کے فلسفۂ ارتقا کے لیے خشت اوّل کا کام کیا۔ مظاہرِ فطرت کے اندر تغیرات اور مماثلتوں کے مشاہدے نے اس کے ذہن میں کئی ایک سوالات پیدا کیے جس کے نتیجے میں اس کے دماغ میں تخلیقات کی مختلف انواع کے درمیان ایک منطقی ربط اور تسلسل کا کھوج لگانے کا خیال پیدا ہوا۔ یہ گویا ڈارون کے تصورارتقا کا ابتدائی مبہم خاکہ تھا۔

ڈارون کا فلسفہ ارتقا پہلی مرتبہ جامع صورت میں اس کی کتاب ''مبداحیات بوسیلہ قدرتی انتخاب'' **On the Origin of Species by Means of Natural Selection**

میں منظرِ عام پر آیا۔ یہ کتاب ۱۸۵۹ء میں شائع ہوئی اور اس نے فکری دنیا میں ایک انقلاب برپا کر دیا۔ ڈارون نے کہا کہ ہر جان دار کے جسم اور شکل وساخت میں مسلسل خفیف تبدیلیاں رونما ہوتی رہتی ہیں اور ایک طویل مدت کے بعد ان تبدیلیوں کے جمع ہو جانے سے ایک نیا جان دار وجود میں آتا ہے۔ اگر اس جان دار کی نسل جسمانی بناوٹ کے لحاظ سے جہد للبقا (Struggle for existence) کے دوران اپنے ماحول کی مشکلات سے کام یاب مقابلہ کر سکے تو وہ زندہ رہتی ہے، ورنہ مٹ جاتی ہے۔ چناں چہ زندگی اپنے ظہور کے بعد مسلسل ارتقا پذیر ہے اور اسی وجہ سے مختلف انواع کے وجود بنتے اور مٹتے رہتے ہیں۔ روئے زمین پر نوع بشر کا ظہور بھی ارتقا کے اسی قاعدے کا نتیجہ ہے۔

> "As natural selection acts solely by the preservation of profitable modifications, each new form will tend in a fully - stocked country to take the place of, and finally to exerminate, its own less improved parent porm and other less favoured forms with whihc it comes into competition. Thus extinction and natural selection go hand in hand[1]

ڈارون کے تصورِ ارتقا میں انتخابِ طبعی (Natural Selection) اور تنازع للبقاء (Struggle for extistence) دو اہم پہلو ہیں۔ ڈارون کے خیال میں وقت اور ماحول کے مطابق اپنے آپ کو جلد ڈھال لینے کا عمل انواع کی نہ صرف بقاء بلکہ دیگر انواع پر حکمرانی اور غلبے کا باعث بھی بنتا ہے۔ انسائیکلوپیڈیا آف فلاسفی میں درج ہے۔

> "Some variations provide the organisms with an advantage over the rest of the population in the struggle for existence." [2]

ایسی انواع جو تنازع للبقاء کے دوران میں بہتر حکمتِ عملی کی بدولت اپنے نظام اور ساختِ حیات میں ایسے تیز رفتار تغیرات کے عمل سے گزرتی ہیں جو انھیں دیگر انواع سے یکسر ممتاز (Distinct) کر دیں وہ انتخابِ طبعی کے عمل میں بھی سرخرو رہتی ہیں۔ انتخابِ طبعی کا عمل کیا ہے؟ اس کی وضاحت کرتے ہوئے ڈارون کہتا ہے کہ "انواع کے اندر غیر محدود طور

پر بڑھنے، ترقی کرنے اور نسل میں اضافہ کرنے کا رجحان پایا جاتا ہے جس سے آبادی میں بے حد اضافہ ہو جاتا ہے لیکن وسائل حیات نہیں بڑھتے۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ قدرتی آفات مثلاً بیماری، وبا، جنگ، قحط، زلزلہ اور موت کی دیگر صورتوں سے انواع اور وسائل حیات میں توازن قائم ہو جاتا ہے۔'' ڈارون کا خیال ہے کہ ''اس طریقے سے قدرت صرف ان انواع کا انتخاب کرتی ہے اور انھیں زندہ رہنے کا حق دیتی ہے جو کسی لحاظ سے دیگر انواع سے بہتر ہوں اور جنھوں نے تنازع للبقاء کے عمل میں ماحول کے ساتھ موافقت کرتے ہوئے اپنے آپ کو تغیرات کے عمل سے گزار کر ارتقا کے اگلے مراحل میں قدم رکھ لیا ہو۔[۳] چارلس ڈارون لکھتا ہے:

"Every being which during its natural life time produces several eggs or seeds must suffer destruction during some period of its life, and during some season or occasional year; otherwise, on the principal of geometrical increase, its number would quickly become so inordinately great that no country could support the product. Hence, as more individuals are produced than can possibly survive, there must in every case be a struggle for existance, either one individual with another of the same species, or with the individuals of distinct species or with the physical conditions of life.[۴]

آگے چل کر ڈارون اور بھی زیادہ واضح انداز میں لکھتا ہے:

"There is no exception to the rule that every organic being natrually increases at so high a rate, that, if not destroyed, the earth would soon be covered by the progeny of a single pair.[۵]

ڈارون چونکہ اور مادّی نقطۂ نظر کا حامل تھا اس لیے ابتدائے حیات کے سوال کا اس کے پاس جواب کوئی نہیں اور وہ اسے ایک نا قابلِ حل معمہ اور انسان کے حیطۂ عقل سے ماوراء مسئلہ قرار دیتا ہے۔ اسے اس بات کا پختہ یقین تھا کہ انواع کے حیاتیاتی ارتقا میں کسی مافوق الفطرت ہستی یا قوت کا عمل دخل نہیں۔ ہولڈنگ لکھتا ہے:

> ''اگر مادیت سے محض یہ مراد لی جائے کہ یہ فوق الفطرت مداخلت کو برطرف کر کے مظاہر کو معین فطری قوانین میں تحویل کرنے کا نام ہے تو ڈارون یقیناً مادیتی تھا۔ اس کا نظریہ یہ ہے کہ جان داروں کی صورتیں مکمل طور پر خدا کے تصور میں نہیں تھیں۔ یہ شکلیں نہایت ادنیٰ شروع سے اور ماحول کے مسلسل اثرات سے طویل عمل ارتقا کے بعد بنی ہیں۔'' ۶

مختصر یہ کہ ڈارون کے نزدیک کائنات کی حیثیت ایک ایسی مشین کی سی ہے جس میں مظاہر اور انواع، مشین کے پرزوں کی صورت میں میکانکی انداز میں کام کرتے اور مقررہ قوانین کے تحت چلتے ہیں۔ زندگی اپنے ادنیٰ مراحل سے انسانی سطح کے اعلیٰ مرحلے تک انھی معین قوانین اور میکانکی عمل کے نتیجے میں پہنچی ہے۔

اقبال کی فکر کا بنیادی نکتہ اس کا ''فلسفہ خودی'' تصور کیا جاتا ہے تاہم اگر بنظرِ عمیق دیکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ ان کی فکر پر اوّل تا آخر ''فلسفۂ ارتقاء'' کی چھاپ ہے یہاں تک کہ تصورِ خودی بھی اسی بنیادی اور بڑے فلسفے کا ایک حصّہ معلوم ہوتا ہے۔ ۷

اقبال اور ڈارون میں ایک بنیادی فرق یہ ہے کہ اقبال کے نزدیک تمام مادہ کی حقیقت روحانی ہے۔ ''کائنات میں جذبہ الوہیت جاری وساری ہے''۔ ۸ مادہ کو اس کی روحانی حقیقت سے الگ رکھ کر دیکھا اور پرکھا نہیں جاسکتا جب کہ ڈارون کی کمزوری یہ ہے کہ اس کی نظر، کائنات کے صرف مادی پہلو پر ہے۔ چناں چہ ڈارون کے متعلق پروفیسر سی ای ایم جوڈ رقم طراز ہیں کہ ''ڈارون کا پیش کردہ نظریہ ارتقا، ارتقائے حیات کا ایسا عمل ہے جسے خالصتاً فطری طاقتوں کی کارفرمائی کا ماحصل سمجھنا چاہیے''۔ ۹ یہی وجہ ہے کہ مغربی فلسفہ ارتقا میں ڈارون مادیت پرست اور میکانکی طرزِ فکر کا سب سے بڑا نمائندہ مفکر بن کر سامنے آتا ہے۔ اس کا یہ خیال ہے کہ تمام مظاہرِ فطرت میکانکی نوعیت کے حامل قوانین قدرت کے پابند اور اسیر ہیں اور خدا کے وجود کو فرض کرنے کی کوئی ضرورت نہیں، یہاں تک کہ حیات اور اس کے تمام ارتقائی مراحل بھی طبعی اور کیمیائی طاقتوں کے اندھا دھند عمل سے انجام پاتے ہیں۔

گویا اقبال کے الفاظ میں:

"The concept of mechanism, a purely physical concept clamied to be the all embracing explanation of Nature".[10]

لیکن اقبال کے خیال میں مظاہرِ فطرت کی توضیح کے لیے محض میکانکی نقطۂ نظر کافی اور تسلی بخش نہیں کیوں کہ میکانکی اندازِ فکر نہ صرف یہ کہ نامکمل معلومات فراہم کرتا ہے، بلکہ مظاہر کے باہمی ربط و تعلق کی نوعیت پر بھی روشنی ڈالتا۔ اقبال کہتے ہیں کہ:

"Natural science is by nature sectional; it cannot, if it is true to its own nature and function set up its theory as a complete view of Reality".[11]

ڈارون کی مادیت پرست سوچ نہ صرف مظاہرِ فطرت کو میکانکی قوانین کا اسیر دیکھتی ہے بلکہ حیاتیاتی مظاہر کو بھی میکانکی قوانین کی قلمرو میں شامل کر کے تمام حیاتیاتی ارتقائی مراحل کو فطرت کے اندھا دھن عمل کا حاصل قرار دیتی ہے۔ یوں معلوم ہوتا ہے کہ ڈارون کے تصوّرِ ارتقا میں حیات، ارتقائی مراحل طے کرنے کے باوجود ماقبل ارتقائی مراحل کی قوتوں کے رحم و کرم پر ہے کہ جنھیں وہ تنازع للبقاء کے عمل میں پیچھے چھوڑ آئی ہے۔ اس طرح ڈارون حیات کی آزادہ روی اور تخلیقی رو کا گلا دبا کر رکھ دیتا ہے۔ کیوں کہ اقبال کے بقول:

"In fact all creative activity is free activity. Creation is opposed to repetition which is a characteristic of mechanical action".[12]

اقبال کی نظر میں مادہ، درحقیقت حیات کی ادنیٰ درجے کی خودیوں کی بستی کا نام ہے۔ ان خودیوں کے مسلسل ارتباط، اتصال، عمل اور ردِعمل سے باہمی یگانگت کا ایک ایسا مقام آجاتا ہے کہ جہاں سے ایک ایسی اعلیٰ درجے کی خودی کا صدور ہوتا ہے کہ جو احساس وادراک کی حامل ہو۔ اقبال لکھتے ہیں:

"Suffice it to indicate that even if the body takes the initiative the mind does enter as a consenting factor at a definite stage in the development of motion".[13]

چوں کہ ابتداء میں اشیا میں خودی کا احساس پست درجے کا ہوتا ہے اس لیے جسم پر میکانکی قوانین کی عملداری زیادہ نظر آتی ہے، تاہم خودی کے احساس وادراک کا رجحان مسلسل ترقی پذیر رہتا ہے یہاں تک کہ خودی مراحل ارتقا طے کرتے کرتے ارتفاع کے اس درجے پر فائز ہوجاتی ہے جہاں وہ بدن اور مادّے کی غلامی سے مکمل طور پر آزادی حاصل کر لیتی ہے۔ اقبال رقم طراز ہیں:

> **"The evolution of life shows that though in the beginning, the mental is dominated by the physical, the mental as it grows in power tends to dominate the physical and may eventually rise to a position of complete independnece".** [۱۴]

دراصل ڈارون اس حقیقت کو نہ سمجھ سکا کہ حیات ارتقا کے سفر میں تدریجی مراحل سے گزرتی ہوئی ہر مرحلے کی صفات وخصوصیات کو اپنے اندر سمو کر ایک نئی بے چگوں کلیت کی شکل اختیار کر لیتی ہے۔ اقبال کے بقول:

> **"The movement of life as an organic growth involves a progressives synthesis of its various stages".** [۱۵]

اقبال کے خیال میں زندگی میکانکی نقطۂ نظر سے توضیح کرنے والے ماہرینِ حیاتیات کا مطالعہ ومشاہدہ حیات کی طرف ایسی ادنیٰ صور واشکال تک محدود ہے جن کے طرزِ عمل میں کسی حد تک میکانکیت سے مشابہت ہے لیکن اگر وہ خود اپنی ذات اور اس کے اندر مچلتے ہوئے احساسات، تحریکات، جذبات اور ماضی وحال سے مستقبل کی طرف اُبھار اور حرکت کے رجحان پر غور کریں تو انھیں یقیناً حیات کے میکانکی تصور سے دستبردار ہونا پڑے گا، گویا حیات کے اندر آئندہ مراحل میں جو تبدیلیاں بھی واقع ہوتی ہیں وہ اس کی اپنی آغوش سے جنم لیتی ہیں۔ اوراس پر کوئی خارجی میکانکی جبریت اثرانداز نہیں ہوتی۔ فکر کا یہی وہ مقام ہے کہ جہاں اقبال حیات کے اندر ارتقا کی لگن کو مقصد کے ساتھ وابستہ کر کے اسے میکانیت کی حدود سے باہر لے آتے ہیں اور لکھتے ہیں:

"The action of living organisms, initiated and planed in view of an end, is totally different to causal action." ١٦

اقبال ڈارون کے اس خیال سے تو متفق ہیں کہ انواع کے اندر غیر محدود طور پر بڑھنے اور اپنی نسل میں اضافہ کرنے کا رجحان پایا جاتا ہے، تاہم اس کا مطلب یہ نہیں کہ انواع کا تحرک اور کثرت آفات قدرت کو دعوت دینے کا باعث بنتا ہے۔ اقبال: ''غنچہ ہے اگر گل ہو، گل ہے تو گلستان ہو'' ١٧ اور ''بے تعمیر کن از شبنم خویش'' ١٨ کا مشورہ دیتے ہیں۔ ان کے نزدیک کائنات کا ذرہ ذرہ سوئے منزل دوست گامزن ہے اور ارتقاء کی منازل طے کر رہا ہے۔ اقبال کے ہاں ارتقا اعلیٰ درجاتِ حقیقت کی طرف سفر کا نام ہے اور یہ سفر خارجی عوامل کے سفاکانہ عمل سے نہیں بلکہ انواع کی اندرونی لگن اور تسلسل عمل سے انجام پاتا ہے۔ چناں چہ اقبال، ڈارون کے اس خیال کو درست نہیں سمجھتے کہ آفات قدرت ارتقا کے رُخ کو متعین کرنے میں کوئی کردار ادا کرتی ہیں کیوں کہ اگر اس نقطۂ نظر کو قبول کر لیا جائے تو مراحل ارتقاء میں حرکت و عمل اور جدوجہد کے تصور کی نفی ہو جاتی ہے اور ارتقا کا عمل محض آفاتِ قدرت کا محتاج نظر آنے لگتا ہے۔ علاوہ ازیں ارتقا ایک ایسا اتفاقی اور حادثاتی عمل بن کر رہ جاتا ہے جس میں نہ عضویہ کی مرضی اور خواہش کو دخل حاصل ہے اور نہ کسی لگن، مقصد اور آرزو کو۔ یوں عضویہ کے جسم میں تمام تبدیلیاں خارجی عوام کے مرہونِ منت ہو کر رہ جاتی ہیں۔ اس طرح معلوم ہوتا ہے کہ ڈارون کے نظری ارتقائی دھارے کے مطابق کسی عضویہ کے لیے ارتقا کے اگلے مرحلے میں داخل ہونے سے پہلے بڑے سکون اور صبر سے کسی ناگہانی آفت یا بلا کا انتظار اس کا مقدر ہے۔ ڈاکٹر محمد رفیع الدین اپنے ایک انگریزی مضمون میں لکھتے ہیں:

"Darwin is a terrible shock to man's justified conviction of his own dignity over the rest of creation, which he thinks, he enjoys by virtue of the nobility of his mind and spirit and the sanctity of his reason and free-will. For the implications of his theory are that the whole of this wonderful world of life is nothing but the blind and fortuitous play of the reckless of nature ... this position is, of course, completely antagonistic to that of Iqbal." ١٩

ڈارون کے نزدیک چوں کہ ماحول ایک تغیر پذیر عامل ہے اس لیے حالات اور ماحول کے مطابق انواع کی مطابقت کی خواہش، تحول اور جدوجہد ارتقا کا باعث ہے۔ اگرچہ یہ بات درست ہے کہ نئے حالات اور جدید تقاضوں کے مطابق اپنے آپ کو ڈھالنا، زمانے کی نبض پر ہاتھ رکھنا اور آئین نو کا ساتھ دینا افراد اور اقوام کی زندگی میں اہم ہے تاہم وہی افراد اور اقوام ترقی، کام یابی اور ارتقا حاصل کرتی ہیں جو جمود اور سکوت کا شکار رہنے کی بجائے وقت اور حالات پر گہری نظر رکھتے ہوئے اپنے آپ کو ان کے مطابق ڈھال لیتی ہیں۔ تاہم اقبال کے نزدیک افراد اور اقوام کی کام یابی اور ارتقا وقت اور حالات کی اندھا دھند تقلید سے ہی مشروط نہیں بلکہ ان کے ہاں بقول اکبرالٰہ آبادی:

''مرد، وہ ہیں جو زمانے کو بدل دیتے ہیں'' [۲۰]

کے فلسفے کی زیادہ اہمیت ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اقبال انسان کو مظاہر فطرت کے سامنے جھکانا نہیں چاہتا بلکہ وہ مظاہرِ فطرت پر انسان کے دستِ تسخیر کو قائم اور مستحکم دیکھنے کا متمنی ہے۔ قوانینِ فطرت کا اسیر ہونا، انسان کے شایانِ شان نہیں بلکہ قوانینِ فطرت، وقت اور حالات کو اپنے دستِ تصرف میں لانا، انھیں اپنی آرزوؤں اور گہری تمناؤں کے مطابق ڈھالنا، اپنی دنیا آپ پیدا کرنا، نئی بستیاں بسانا اور راہوارِ وقت کی لگام کو ہاتھ میں لے کر اپنے آدرش کے مطابق موڑنا اور پھیرنا اصل کام یابی اور ارتقا کی علامت ہے۔ اقبال رقم طراز ہیں:

"It s the lot of man to share in the deeper aspiration of the universe around him and to shape his own destiny as well as that of the universe now by adjusting himself to its forces, now by puttng the whole of his energy to mould its forces to his own ends and purposes." [۲۱]

گفتند جہانِ ما آیا تبو می سازد؟
گفتم کہ نمی سازد، گفتند کہ برہم زن [۲۲]

ڈارون کے برعکس اقبال کے نزدیک عالمِ رنگ و بو میں اپنے آپ کو کھو دینے، گم کر دینے یا محض ماحول کے ساتھ موافقت پیدا کرنے میں ہی کمالِ حیات یا ارتقا مضمر نہیں بلکہ باقی امکانات کی زیادہ سے زیادہ تسخیر سے اپنے اندر ایسی قابلیت اور صلاحیت کو نشوونما دینا

وہ کارنامہ ہے جس سے انسان اس "بتخانہ شش جہات" پر نہ صرف غلبہ اور تسلط حاصل کرتا ہے بلکہ اس کی اپنی مرضی کے مطابق تراش کرتے ہوئے ارتقا بھی پاتا ہے۔

مہر و مہ و انجم کا محاسب ہے قلندر
ایام کا مرکب نہیں، راکب ہے قلندر ۲۳

اقبال کے تصوّرِ ارتقاء کے اس پہلو کی بہترین تفسیر ڈاکٹر اے۔ ریہل (Dr. A. Riehl) کے درج ذیل اقتباس سے ہوتی ہے:

"The animal can adopt its actions to the chaned conditions of its environmnets and from this power of adaptation, we first have reason to conclude that it posseses intelligence. Man on the other hand, can chane the conditions about him and adopt them to his mind. He knows how to call forth independently new conditions which correspond to his purpose. He creates tools for himself, and changes the external world by his work. He fills and chagnes the surface of his planet with the products of his industry and skill; and as his practical understanding shows its surperiority to mere adaptation by its power of initiative, his theoretical understanding shows its superiority by its power to arrange the perceptions it receives, according to the condepts of his through". ۲۴

اس میں شک نہیں کہ اقبال نے مذہب، فلسفہ، سیاست اور سائنس، ہر میدان میں حکمائے مغرب کی فکر و نظر کا گہرا مطالعہ کیا اور جہاں جو خوبی نظر آئی اسے قبول کیا، تاہم انھوں نے یکسر مادی اور الحادی نظریات پر بھرپور تنقید بھی کی اور انھیں انسانیت کے لیے گمراہ کن قرار دیا۔ اقبال اور ڈارون کا بنیادی فرق یہ ہے کہ اقبال کے فکر کی اساس دینی و روحانی ہے جب کہ ڈارون کی مادی و عنصری فکری روش اس روحانی سہارے سے محروم ہے۔ اقبال کا تصور ارتقا

مغربی طرزِ فکر کی غلامانہ پیروی کا ماحصل نہیں۔ وہ ارتقا کے ضرور قائل ہیں اور اس لحاظ سے وہ ڈارون کے ہم نوا بھی نظر آتے ہیں تاہم انھیں ارتقا کا وہی تصور دل پذیر ہے جس کی تعلیم قرآنِ پاک دیتا ہے۔

حواشی:

۱۔ Charles, Darwin, The Origin of Species, by Means of Natural Selection, William Benton Publishers, Chicago: 1987, P:80.

۲۔ Paul, Edwards, et. al., The Encyclopaedia of Philosphy, Collier MacMillan Publishers, London, 1972, Vol:3-4, Pg.297

۳۔ ڈارون نے انتخاب طبعی (Natural Selection) کا یہ تصور مالتھس (Roberts Malthus) کے نظریہ آبادی سے لیا اور اسے حیوانات کی دنیا پر چسپاں کر دیا۔

۴۔ Charles, Darwin, The Origin of Species, p.33.

۵۔ ایضاً۔

۶۔ ہیرلڈنگ، تاریخ فلسفہ جدید، ترجمہ از خلیفہ عبدالحکیم، نفیس اکیڈمی، کراچی، ۱۹۸۷ء، جلد دوم، ص۵۳۶۔

۷۔ اقبال نے ''اسرارِ خودی'' میں ارتقائے خودی کے تین مراحل بیان کیے، مرحلہ اوّل، اطاعت، مرحلہ دوم، ضبطِ نفس اور مرحلہ سوم نیابت الٰہی۔

۸۔ اقبال نامہ، شیخ محمد اشرف، لاہور، حصہ اوّل، سن ندارد، ص۴۵۹۔

۹۔ سی، ایم، ایم، جوڈ افکار حاضرہ، ترجمہ از محمد بن علی بادہاب، مجلس ترقی ادب، لاہور، ۱۹۶۶ء، ص۳۵۔

۱۰۔ Muhammad Iqbal, The Reconstruction of Religious Thought In Islam, Sh. Muhammad Ashraf, Lahore, 1965. P.41.

۱۱۔ As above.

۱۲۔ As above.

۱۳۔ Muhammad Iqbal The Secrets of the Self, Translated by Reynold A. Nicholson, Sh. Muhammad Ashraf, Lahore, 1975, P.xix.

۱۴۔ Muhammad Iqbal, The Reconstruction, P.106.

۱۵۔ As above, P.56.

۱۶۔ As above, P.43.

۱۷۔ بانگِ درا، ص۲۸۰۔

۱۸۔ پیامِ مشرق، ص۲۶۔

۱۹۔ Muhammad Rafiuddin, "Iqbal's Concept of Evolution" Iqbal Review, Vol.1 No.1, April, 1960, P.39.

۲۰۔ اکبرالہٰ آبادی، کلیاتِ اکبر، پنجاب پبلشرز، کراچی، سن ندارد، ص ۳۸۔

۲۱۔ Muhammad Iqbal, The Reconstructions, P.12.

۲۲۔ زبورِ عجم، ص ۷۵۔

۲۳۔ ضربِ کلیم، ص ۴۱۔

۲۴۔ Riehl "An Introduction to the Theory of Science and Metaphysics" Regan Paul, Trench Trubner & Com., Ltd, London, 1984, P.75, 76.

کتابیات:

۱۔ اقبال: "بانگِ درا"، طبع سوم، شیخ غلام علی اینڈ سنز، ۱۹۳۰ء۔

۲۔ اقبال: "پیامِ مشرق"، تسہیل و فرہنگ، احمد جاوید، لاہور، اقبال اکادمی پاکستان، بہ اشتراک مرکز تحقیقات فارسی، ایران و پاکستان، اسلام آباد، ۱۹۹۲ء۔

۳۔ اقبال: "ضربِ کلیم"، طبع ہشتم، لاہور، شیخ غلام علی اینڈ سنز، ۱۹۵۴ء۔

۴۔ اقبال: "کلیاتِ فارسی"، ترجمہ میاں عبدالرشید، طبع اول، لاہور، شیخ غلام علی اینڈ سنز، ۱۹۹۲ء۔

۵۔ اکبرالہٰ آبادی: "کلیاتِ اکبر"، کراچی، پنجاب پبلشرز، سنہ ندارد۔

۶۔ سی۔ایم۔جوڈ: "جوڈ افکارِ حاضر"، ترجمہ از محمد بن علی بادہاب، لاہور، مجلسِ ترقی ادب، ۱۹۶۶ء۔

۷۔ محمد اشرف، شیخ: "اقبال نامہ"، حصہ اول، لاہور، سنہ ندارد۔

۸۔ ہیرلڈنگ: "تاریخ فلسفہ جدید"، ترجمہ اور خلیفہ عبدالحکیم، جلد دوم، کراچی، نفیس اکیڈمی، ۱۹۸۷ء۔

9. A. Riehl, "An Introduction to the Theory of Science and Meta Physics", London, Paul, Trench Trubner and Com, Ltd. 1984.

10. Chanrles, Darwin, "The Origin of Species, by Means of Natural Selection", Chicago, Williom Beuton Publishers, 1987.

11. Muhammad Iqbal, "The Reconstruction of Religious Thought in Islam", Lahore, Sh. Muhammad Ashraf, 1965.

12. Muhammad Iqbal, "The Secrets of the Self", Translated by Reynold A. Nicholson, Lahore, Sh. Muhammad Ashraf. 1975.

13. Muhammad Rafiuddin, "Iqbal's Concept of Evolution", Vol. 1, No. 1, Iqbal Review, April 1960.

14. Paul, Edwards, et.a1., "The Encyclopedia of Philosophy, Vol: 3-4, London, Collier Mac Millan Publisher, 1972.

O ------- O